سلمٰی اعوان کے سفرناموں میں فلیش بیک تکنیک کا تحقیقی مطالعہ

سید اظہر حسین شاہ
پی ایچ ڈی سکالر ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ
نگران

ڈاکٹر محمد الطاف یوسف زئی

The achievements of Salma Awan in travelogue are known to every student of Literature. She is the first artist. Who initiated literary compositions in the Northern Areas? She highlighted the history and the civilization of Northern area. She also expressed her personal life and narrated the events in a moving way; she success fully exploited the flash back technique in her compositions. That's why; her travelogues have the qualities of a novel, drama and film. Consequently, the reader learns about the external conditions of the atmosphere and the mental state of the character. "Ya Mera Baltistan", "Ya Mera Gilgit Hunza" and "Sunder Chitral" are the rare manuscripts of Flash back technique in Urdu Literature.

اُردو سفر نامہ اصناف نثر میں اظہار کی کامیاب ترین بیانیہ صورت ہے۔ اگر موضوعات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اُردو میں مذہبی، سیاسی، تفریحی، تاریخی اور تحقیقی نوعیت کے سفر نامے ملتے ہیں تکنیکی صورت میں خطوط، روز نامچہ، رپورتاژ وغیرہ پر مشتمل سفر نامے لکھے گئے۔ آج کا سفر نامہ محض ایک سفری رپورٹ یا سیاحتی گائیڈ بک نہیں بلکہ ایک ادبی تخلیقی صنف کی شکل میں ڈھل چکا ہے۔ اس میں سیاح کی بصارت اور بصیرت کے ساتھ فن و تکنیک بھی شامل ہوتی ہے۔ اسی بنا پر عہد قدیم کی نسبت آج کے ترقی یافتہ زمانے میں سفر نامہ اپنے افسانوی اسلوب کی بدولت تکنیک کے جدید تجربات سے گزر رہا ہے۔ آج کا سفر نامہ نگار اپنے سامنے محض تاریخی حقائق اور جغرافیائی حالات کو ہی اہم تصور نہیں کرتا بلکہ اُس کے سامنے متحرک مناظر کے پوشیدہ گوشے اور سائنسی و علمی ترقی کے راز دست بدست کھڑے ہوتے ہیں کہ وہ قاری تک اپنی فہم و بصیرت سے اس طرح پیش کرے کہ اس کا بیانیہ تحیر و تجسّس کے جذبات و احساسات پیدا کرنے کے ساتھ مقابلے کا رجحان بھی پیدا کرے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب ایک سیاح بہترین ذرائع ابلاغ کا استعمال کرتا ہے اور اُس کا اسلوب بیان جاندار ہوتا ہے اور اس صورتحال میں ایک بہترین انداز یا طریقہ وہ ہے جس میں فلیش بیک تکنیک کا استعمال ہو۔ چونکہ فلیش بیک تکنیک سفر ناموں میں ایک خاص اسلوب کی نمائندگی کرتی ہے جو لکھنے والے کے وسیع مشاہدات اور تجربات کی مظہر ہے۔ یہاں مصنف ایک ایسا انداز لاتا ہے جو حال کے واقعات اور مشاہدات سے جوڑے ماضی کے واقعات اور تجربات کو منظر عام پر لانے کا وسیلہ بنتا ہے اور اس کی بدولت ماضی کی متحرک تصاویر صاف شفاف انداز میں تخیل کی رو میں بہہ کر صفحۂ قرطاس پر منعکس ہو جاتی ہیں۔ چاہیے منفی ہو یا مثبت فلیش بیک تکنیک کے ذریعے اُن تجربات و مشاہدات کو نئی زندگی ملتی ہے اور ادیب بطور حربہ اس تکنیک کے استعمال سے تحریر میں خوبی اور گنج معنی آباد کرتا ہے۔ سلمٰی اعوان نے بھی اپنے سفر ناموں میں یادوں کے جزیروں کو حال کے ماحول میں پیوست کرنے کے لیے اس حربے کا استعمال کیا ہے اور خوب کیا ہے۔ اُن کے سفر ناموں کی مجموعی فضا نہایت اثر انگیز ہے فلیش بیک تکنیک کے ذریعہ جہاں زندگی کے نہاں گوشوں کی نقاب کشائی حال کے آئینہ میں متحرک انداز میں کرتی ہیں وہیں ماضی و حال کے سنگم پر اعلیٰ درجہ کی منظر نگاری کے نمونے بکھرتی نظر آتی ہیں۔ سلمٰی اعوان ایک آزاد منش سیاح کی صورت میں تن تنہا بے فکری کے عالم میں فطرت کی خوبصورتیوں اور

رعنائیوں کی تلاش میں بار بار شمالی علاقہ جات کے سفر پر نکلتی اوران علاقوں کی دلکشی اور خوبصورتی کو اپنے ذہن کے کینوس پر پینٹ کر کے اُن علاقوں کی سماجی، معاشی، معاشرتی اور خانگی مسائل کو اُجاگر کرتی ہیں ویسے تو ان علاقوں کے حوالہ سے سب سے زیادہ سفرنامے مستنصر حسین تارڑ نے لکھے لیکن مشاہدے کی جو گہرائی سلمٰی اعوان کے ہاں نظر آتی ہے باقی سفرنامہ نگاروں کے ہاں اس کا فقدان نظر آتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ ایک خاتون ہے اوران کی رسائی وہاں پر بسنے والے انسانوں کی خانگی زندگی کے حوالہ سے بہت ہی نجی نوعیت کے معاملات تک رہی ہے۔ روزنامہ نوائے وقت کو دیئے گئے اپنے ایک انٹرویو میں اس بات کا تذکرہ یوں کرتی ہے۔

> ”جہاں تک میری تخلیقات کا تعلق ہے میں نے سفر کو تخلیق کا سرچشمہ بنایا ہے۔ میرے ناولوں میں بھی سفر کا مشاہدہ نظر آرہا ہے۔ ”یہ میرا بلتستان “ میں بیک وقت تاریخ، لوگوں کی تہذیبی و ثقافتی زندگی، وادیوں کی تفصیلات اور سلگتے ہوئے مسائل کا احاطہ کیا ہے۔ ناول کی تکنیک کا سہارا لے کر میں نے اس کا کینوس اتنا پھیلا دیا ہے کہ اس کے نمایاں خدوخال بھرپور طریقے سے ابھر آئے ہیں“۔ ص(۱)

سلمٰی اعوان نے اپنی سیاحت کے دوران شمال کے دورافتادہ علاقوں کی دیہی زندگی اور وہاں پر بسنے والے انسانوں کے رویوں کا بغور مشاہدہ کیا اور خاص طور پران علاقوں کی تاریخ وثقافت پر اپنی عمیق تحقیقی نظر ڈالی اور قاری کے سامنے اس خطے کی ایک جامع تصویر پیش کی۔ جس میں گلگت وبلتستان کے تمام رنگ نمایاں نظر آتے ہیں۔ فلیش تکنیک کے بھرپور استعمال کی وجہ سے سلمٰی اعوان کے سفرناموں ”یہ میرا بلتستان “ ” میرا گلگت و ہنزہ “اور ”سندر چترال“ پر ایک طلسماتی فضا چھائی ہوئی ہے جس سے شمالی علاقوں کی داستان حیات کا ماضی وحال جھلکتا ہے اس بارے میں احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

> ”سلمٰی اعوان کے فن میں ایک ایسا سحر ہے کہ کوئی ایسا جو جادو ہے جو پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور اسے آخر دم تک جکڑے رکھتا ہے۔ سلمٰی اعوان کے ہاں مشاہدے کی اتنی خوفناک گہرائی ہے کہ جو بھی کردار اُن کے سامنے آتا ہے اُس کے ظاہری خدوخال سے زیادہ اس کے باطن کا ایسا ایکسرے لیتی ہے کہ کوئی رگ، کوئی نس، کوئی ورید پوشیدہ نہیں رہتی تھی۔“ ص(۲)

سلمٰی اعوان نے شمال کی گھریلو زندگی کے ساتھ ساتھ وہاں پر بسنے والے لوگوں کے جذبات واحساسات، عقائد ونظریات، رسم ورواج کے ایسے دلکش مرقعے پیش کیے ہیں کہ جس کو پڑھتے ہوئے قاری مناظر فطرت کے ساتھ مناظرِ ذات سے بھی لطف اندوز ہوتا ہے۔ ان داخلی جذبات کی مرہونِ منت اِن سفرنامہ میں جگہ جگہ ”فلیش بیک“ کے اعلیٰ نمونے پیش کیے ہیں۔ یہ تکنیک کبھی خود سلمٰی اعوان نے واحد متکلم کی صورت میں اختیار کی کبھی سفرنامے میں موجود کرداروں کے ذریعے بروکار لائی ہے۔ جب سلمٰی اعوان بلتستان کا تاریخی قلعہ دیکھنے نکلتی ہے تو شیر خان انچن کے آباؤاجداد کی اس تعمیر کا امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں اُڑا ہوا رنگ وروپ دیکھ کر حیرت زدہ ہوگئی اور سیماں جو کہ سلمٰی اعوان کی میزبان بھی تھی جب ڈوگرہ فوج کے ہاتھوں آخری مقپون بادشاہ کی گرفتاری اور شہزادیوں اور بیگمات کی اندوہناک قید کا منظر بیان کرتی ہے تو سلمٰی اعوان خود کلامی کی صورت میں فلیش بیک میں جا کر اِن واقعات جن میں بہت زیادہ زمینی اور زمانی تفاوت ہے کو کس سلیقے سے یکجا کرتی ہے سقوطِ ڈھاکہ سے سقوطِ بغداد تک جا پہنچتی ہے۔

> ”اس قلعہ کے بیرونی دروازے پر شیر کا مجسمہ نصب تھا ڈوگرہ فوج نے آخری مقپون بادشاہ کو گرفتار کر کے اسی چوپال میں لا کر قالین پر بٹھایا تھا یہ کیسا اندوہناک منظر تھا۔۔۔ اور اس نے دکھ اور کرب کے سمندر میں غوطہ مارتے ہوئے

> اپنے آپ سے کہا صرف اندوہناک نہیں انسان تو جیتے جی قبر میں اتر جاتے ہیں آن بان شان عزت وجاہ وقسمت سب کچھ منوں مٹی کے نیچے دب جاتا ہے پلٹن میدان ڈھاکہ اُس کی آنکھوں ک سامنے آ گیا تھا سقوط دہلی اور سقوطِ بغداد تو کتابی المیے تھے سقوط ڈھاکہ تو اس کی روح اس کے جسم وجان کا المیہ تھا۔'' ص (۳)

سلمٰی اعوان چونکہ تقسیم کے وقت جالندھر میں مقیم تھیں اس نے ایک تقسیم وہاں دیکھی اور دوسری تقسیم سقوط ڈھاکہ کی صورت میں ملی اگرچہ پہلی تقسیم تو ضرورت تھی اور لوگوں نے خوشی سے سرزمین پاکستان کی طرف سفر کیا لیکن جب ملک دوبارہ ٹوٹا اس اندوہناک سانحہ نے لوگوں کی روح پر گھاؤ لگائے جس کا شکار سلمٰی اعوان بھی ہوئی تھی یہی وجہ ہے قلعہ میندوق کی تباہ حالی دیکھ کر وہ ماضی میں چلی جاتی ہے اور پھر وہ شنگریلا میں جھیل کے کنارے بیٹھے بیٹھے بیرونی مناظر کی خوبصورتی اور سکوت کے زیر، اثر تنہائی کے ان لمحوں میں زبیر کی یادوں میں کھو جاتی ہے۔ اس مقام پر یاد ماضی کو حال سے کس طرح مربوط کرتی ہے۔

> ''' پھر جہاں للّی کے پھول ہنستے تھے وہیں بیٹھ گئی۔ سارے جوڑے نظر سے اوجھل ہو گئے بس زبیر اور وہ وہیں رہ گئے تھے پر یہ یاد کسیلے تمباکو کے کش جیسی تھی جس نے گلے میں اُچھو لگا دیا تھا۔ چیری کے پھل سے لدا ہوا درخت اس کے سر پر تمکنت سے کھڑا تھا۔ اُس نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھے، ایک نظر درخت پر ڈالی، دوسری نظر زمین پر اور تیسری نظر سامنے پہاڑوں پر جہاں ابرق چمکتی تھی اور پھر اُس نے خود سے کہا'' چلو جو ہوا اچھا ہی ہوا۔ ایک دو سال بعد بھی تو اسی صورت نے جنم لینا تھا جینا ہی ہے نا'' ص (۴)

یہ ایک فطرتی امر ہے جب انسان تنہائی میں ہوتا ہے اور اپنوں کی دوری اور اُن سے وابستہ واقعات اکثر ایک فلم کی صورت میں آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں سلمٰی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا شگر میں سیماں کے ساتھ سردیوں کے لئے سبزیاں محفوظ کرتے ہوئے سلمٰی کو اپنے گھر کی یاد آ گئی اور گلگت بلتستان کی یخ بستہ ہواؤں سے تخیل کی پرواز کرتے ہوئے پنجاب کی گرم ہواؤں میں آباد اپنے آبائی گھر جا پہنچی اس بارے میں لکھتی ہے۔

> '' باغ کے سارے ٹماٹر اتار کر چار چار ٹکڑوں کی صورت میں چھت پر ڈال کر سکھائے تھے سیبوں کو دھو کر سٹور میں بچھی توڑی پر پھیلا دیا تھا دنوں نے سٹور میں ہی وہ جگہ بھی بنالی تھی جہاں مولیوں اور گاجروں کو دبانا تھا ساگ اور پالک سوکھ گئی تھیں اور انہیں پولی تھین کے لفافوں میں پیک کر لیا تھا۔۔۔ یہ سب کام کرتے کرتے کبھی کبھی اس کی آنکھیں بھیگ جاتی۔ اُسے اپنا گھر یاد آتا۔ اپنا کچن جس کے لیے وہ مہینے کی اولین تاریخوں میں ایسے ہی چیزوں کو سینتنے میں پوری گرہستن بنی ہوئی ہوتی دل سے اک ہوک سی اٹھتی اپنے گھر کی آرزو تڑپانے لگتی پھر جیسے یکدم وہ اس آرزو کے گلے میں پھندا ڈال اس کا گلا

کیا گننے‘‘ ص(۵)

’’**یہ میرا بلتستان**‘‘ سلمیٰ اعوان کا شمالی علاقہ جات کے سفر پر مشتمل اولین سفرنامہ ہے جس میں ’فلیش بیک‘ کے ذریعے حال کے جھروکوں سے جھانکتے ہوئے ماضی کے دلکش واقعات نہایت موثر انداز میں پیش کئے گئے ہیں اور جس سے سلمیٰ کی نجی زندگی سے وابستہ واقعات سے پردہ اُٹھانے میں یہ تکنیک مددگار ثابت ہوئی ہے اسی طرح سے سلمیٰ کا دوسرا سفرنامہ ’’میرا گلگت وہنزہ‘‘ بھی فلیش بیک تکنیک کے خوبصورت نمونوں سے مزین ہے سلمیٰ اعوان کے ہاں اس میں بہت زیادا پختگی اور فہم نظر آتا ہے۔ شاعرانہ پیش کش اور سادہ زبان منظر سے پس منظر تک کے سفر میں رکاوٹ پیدا نہیں ہونے دیتی۔ وہ اپنے سفرناموں میں جہاں مناظر کی تہہ میں اُترنے کا فن جانتی ہیں وہیں پر وہ اپنے سامنے موجود سراپوں کے ظاہری خدوخال سے ماضی میں دور تک سفر کرنے کا ہنر بھی جانتی ہے۔ وادی نلتر میں اکبر حسین اکبر کے گھر میں چولہے کے سامنے بیٹھی غنچہ خانم اکبر کہ دیکھ کر یکدم حال سے ماضی کے اندھیروں میں غرق دادی کے آنگن میں جا پہنچتی ہے۔

> ’’وادی نلتر کے گھر کا باورچی خانہ جس کے چولہے کے سامنے غنچہ خانم اکبر لکڑی کے بڑے سے چوکور ڈبے میں آٹے کی پنی کو خشکے میں مسل مسل کر گوندھ رہی تھی میری آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔ میں ایک کچے آنگن میں کھڑی تھی۔ جہاں میری خوبصورت زیتونی رنگ والی دادی دہی بلوتی تھی اُس کی رنگین مدانی میں گھنگھرو بجتے تھے سیڈول کلائیوں میں ہاتھی دانت کی چوڑ الشکارے مارتا تھا مہندی رنگے بال شفق کی لاٹ کو مات کرتے تھے۔ مکھن کے بڑے بڑے پیڑوں کو چاٹی میں نکال کر ہاتھوں میں اُچھال اُچھال اُس کی جذب شدہ لسی کو خارج کرتے کرتے وہ دُلارے سے پوتے کو آواز دیتی جاتی اُٹھ جا شہزادیا، اُٹھ جا پُتر، اُٹھ میرے چنا، اٹھ میرے سوہنا، اُٹھ میرے مکھنا۔ ‘‘ص(٦)

سلمیٰ اعوان کا اندرون ملک تیسرا سفرنامہ ’’سندر چترال‘‘ شمالی علاقہ جات کی دلکشی وخوبصورتی کا بہترین مرقع ہے۔ جس میں چترال کی تہذیبی و ثقافتی اقدار، رسم ورواج اور دیگر تاریخی حالات وواقعات کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ اس سفرنامے کا کمال یہ ہے کہ یہ بالاکوٹ سے چترال تک کے دو الگ الگ علاقوں کی تہذیبی زندگی کی نمائندگی کرتا ہے۔ اور یہ سفر سلمیٰ اعوان نے دیگر اسفار کی طرح تنہا نہیں کیا بلکہ اس میں اُن کے ساتھ بالاکوٹ کے سفر میں سلمیٰ کی بیٹی اور بیٹے کے علاوہ ان کی رشتہ دار خاتون اور ان کے بچے بھی شامل تھے جبکہ چترال کا سفر پروین عاطف کے ڈرامے کی عکس بندی کے سلسلہ میں کیا گیا لیکن یہاں سلمیٰ اعوان ایک آوارہ خرام سیاح کی مانند من کی دنیا میں گم مناظر فطرت کے پوشیدہ اسرار تلاش کرتی نظر آتی ہے۔ چترال کے راستے میں جب ڈرائیور لڑکے نے اعلان کیا کہ ’’بمبوریت‘‘ آ گیا تو مکئی اور گندم کے کھیتوں کے کنارے چلتی چند کیلاشی لڑکیاں دیکھ کر سلمی اعوان ماضی کی طرف پلٹنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

> ’’مکئی اور گندم کے کھیت درختوں کے سلسلے اور مکانات پھر جیسے اس منظر میں سڑک کے کنارے چلتی چند کیلاشی لڑکیاں اُبھریں اُجلی رنگت سیاہ پیرہن اور رنگ رنگیلے موتیوں ہاروں میں مزین گھنیری راتوں میں جیسے چاند چمکے۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہوا جیسے دل کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا۔ بہت پرے بہت دور گاؤں میں لالٹین کی روشنی

> آ گئی تھی جو پوہ ماگھ کی سرد تاریک راتوں میں پڑھتی تھی۔ بہت دور اونچے اونچے پہاڑوں دور دریاؤں اور سمندروں سے بھی پرے ایک ملک تھا جس کا نام کافرستان تھا وہاں پریاں رہتی تھیں۔۔۔۔ میرے بچپن کی ساری فینٹسی مجسم ہو کر میرے سامنے تھی'' ص (۷)

پھر سلمٰی اعوان ایک کچے گھروندے میں کراچی کی ہواؤں اور محنت کی چکی میں پسے چترال کے لعل خان کی کسمپرسی کی زندگی کی کہانی سنتے ہوئے جب پیچھے موڑ کر پانچ فٹ اونچے اور ڈیڑھ فٹ چوڑے کچے کوٹھے کو دیکھتی ہیں تو فوراً ماضی کے ورق اُلٹا کر اپنے بچپن میں پہنچ جاتی ہے اور دلکش انداز میں حال کے جھروکے سے یادوں میں بسی ایک کہانی کو تازہ کرتی ہے جس میں ہماری تہذیب کی بھرپور عکاسی نظر آتی ہے اس بارے میں لکھتی ہیں۔

> ''لعل خان کراچی کی کسی فیکٹری میں ملازم تھا گندم کی کٹائی کرنے کے لئے ایک ماہ کی چھٹی پر آیا ہوا تھا۔۔۔۔۔ ''بہت خواہش ہے کہ مہمانوں کے لئے ایک کمرہ کھڑا کر لوں''۔۔۔۔۔ اس نے جملہ ادھورہ چھوڑ دیا تھا۔۔۔ میں نے اس کی دلداری کے لئے محبت سے کہا مایوس نہیں ہوتے۔۔۔ یونہی گردن موڑ کر اپنی پشت پر پانچ فٹ اونچے اور ڈیڑھ فٹ چوڑے کچے کوٹھے کو کیا دیکھا لگا جیسے کسی نے فلیش بیک کا بٹن کھٹ سے دبا دیا ہو اس کوٹھے میں نصب ایک فٹ لمبائی چوڑائی والے دو پٹوں کے کھردرے دروازے نے میرے ہاتھوں میں کھجلی سی کر دی۔۔۔ گاؤں میں دادی کے گندم کے پڑولے یاد آئے تھے جن میں ٹھکے ایسے ہی دو پٹوں کے دروازوں کی کنڈیاں میرے ننھے منے ہاتھ دھیر دھیر گھول کر گندم کے دانوں سے میلی چُنی کا دامن بھر لیتے پھر گاؤں کی ہٹی سے رنگ برنگی مچھیوں (میٹھی گولیاں) مرنڈوں اور تل والی گچک کا تبادلہ ہوتا جیٹھ اور ہاڑ کی تپتی دوپہریں میں میرے ایسے ذائقوں، چوریوں اور آوارہ گردیوں کی گواہ تھیں۔ زبان کے چٹخارے قیمتی گندم کے دانوں کی چوری اور اوا گونیوں کے راز جب طشت ازبام ہوئے تو جھونٹے پکڑ پکڑ کر جس انداز میں زدوکوب کیا گیا کوسنوں اور بدعاؤں کی بارش میں جیسے نہلایا گیا اس کی تفصیل قطعاً خوشگوار نہیں'' ص (۸)

سلمٰی اعوان کا ماضی سے مضبوط رشتہ لمحہ بہ لمحہ قاری کے سامنے انوکھے واقعات کو تسلسل سے بیان کرنے کا وسیلہ ثابت ہوا یہی وجہ ہے کی وادی چترال میں ارشاد بابا کے آنگن میں سبزے کے قالین پر بیٹھی کھانا تناول کرتی سلمٰی اعوان چولہے کی پکی موٹی روٹی کھاتے ہوئے اپنی ماں جی کے گھر اور ان کھیتوں کی سیر پر نکل جاتی ہے جن سے ان کی خوبصورت یادیں وابستہ ہیں فلیش بیک کا سہارا لیتی ہوئے سلمٰی اعوان لکھتی ہے۔

> ''سبزے کی قالین پر بیٹھ کر ہم نے دوپہر کا کھانا چار بجے کھایا جو مکھن، پالک، ساگ، لسی اور چولہے کی پکی موٹی روٹی پر مشتمل تھا ساگ اور مکھن دونوں لذیذ تھے پھر جیسے یادوں کی بارات میرے ذہنی آنگن میں اتر آئی۔ ایک مخصوص باس ایک

> اُفق کو گھورتے ہوئے بے اختیار اپنے آپ سے کہا کرتی تھی۔ بھلا میں چھٹیوں میں
> ماں جی کے پاس مشقت بھرے کام کرنے کیوں آجاتی ہوں ماں چارہ کٹوا بھالن
> (ایندھن) اٹھوا گوبر تھپوا تھپوا کر میرا بھرتہ بنا دیتی ہے۔ سارے میں لوسن کے دو
> فٹ اونچے پودے کھڑے تھے اور ارشاد کی والدہ درانتی سے چارہ کاٹ رہی تھیں۔
> میں نے بہتیرا ان کے ہاتھ سے درانتی پکڑ کر چارہ کاٹ کر ماضی کی یادوں کو زندہ کرنا
> چاہا پر وہ نہ نہ کرتی رہیں'' ص (۹)

سلمیٰ اعوان کے شمالی علاقہ جات کے سفرناموں میں خوبصورت اسلوب اور ان کے مشاہدہ کی گہرائی ان کو دیگر سفرنامہ نگاروں سے ممتاز کرتی ہے ان کی قلم اور خیال پر مضبوط گرفت اور فلیش بیک تکنیک نے سفرناموں کو کہانی اور ناول کے ہم پلہ صنف نثر کا درجہ دیا۔ سلمیٰ اعوان نے اندرونِ ملک کے سفر کے علاوہ بیرونی دنیا کے اسفار پر مبنی تحریریں بھی اردو ادب کو دی۔ مثلاً ''مصر میرا خواب'' ''روس کی ایک جھلک'' ''عراق اشک بار ہیں ہم'' ''استنبول کے عالم منتخب'' ''اجنبی آسمان اجنبی زمین'' ''سیلون کے ساحل، ہند کے میدان'' وغیرہ سلمیٰ اعوان کی تحریریں نہ صرف انفرادیت کی حامل ہیں بلکہ فلیش بیک کے استعمال کے ساتھ ساتھ ان کے شگفتہ اور رواں اسلوب نے سفرناموں میں ایک سماں باندھ رکھا ہے ماضی و حال اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ زندگی کا احساس پیدا کرتا ہے اس بارے میں مظہر فریدی لکھتے ہیں۔

> ''سلمیٰ اعوان نے زندگی کے ہر پہلو کو واضح، صاف اور سادہ و شگفتہ انداز
> میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ خاتون ہونے کی وجہ سے گھریلو زندگی آئینہ ہو
> کر سامنے آگئی ہے اور وہ آئینہ کا رخ ہماری طرف کئے خاموش ہے'' ص (۱۰)

سلمیٰ اعوان نے زندگی کی متحرک تصاویر پیش کی ہیں جہاں جذبات و احساسات کا بہاؤ تند و تیز لہروں کی صورت میں فلیش بیک سے ماضی و حال کے آئینہ میں تہہ در تہہ کروٹیں بدلتے ہوئے قاری کے سامنے ظاہر ہوتے جاتے ہیں اس طرح نہ صرف سلمیٰ اعوان نے اپنے جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتی ہے بلکہ کہانی پن سے سفرنامے کے کینوس کو رنگین اور دلکش بناتی ہے۔ اس بارے میں مظہر فرید لکھتے ہیں۔

> ''سلمیٰ اعوان نے بھی بلتستان، بلتی زندگی، رسم و رواج، رہن سہن، گھریلو زندگی
> ، مشاغل، تہوار، کھانے، پہناوے و ملبوسات اور تہذیبی و تمدنی عناصر کو اپنی گرفت
> میں لینے کی کوشش کی ہے کیونکہ بلتستان کے ہر علاقے اور ہر پتھر کے ساتھ ایک
> داستان وابستہ ہے میرا بلتستان میں مصنفہ کے دل کے ساتھ مناظر ہلکورے لیتے
> اور سانس لیتے محسوس ہوتے ہیں اور مضراب کی طرح بے چین و بے قرار نظر آتے
> ہیں جو ساز بھی بکھرتا ہے اور سوز بھی'' ص (۱۱)

سلمیٰ اعوان کے سفرناموں میں بیک وقت سفر دو سطحوں پر جاری رہتا ہے سفر کی یہ سطح خارجی اور باطنی ہے خارجی سطح پر وہ فطرت کے حسین نظاروں سے مزین وادیوں میں اپنے ساتھ قاری کو لئے پھرتی ہے اور ماضی کے عظیم آثار اور ان میں چھپے کرداروں اور ماضی کی زندگی کے اتار چڑھاو کے ساتھ گلگت و بلتستان کی عہدِ حاضر کی معاشرتی طرزِ حیات اور اس میں رچی بسی داستانوں کے ساتھ اپنے ماضی و حال کو یکجا کر کے سفرنامے کی مجموعی فضاء پر ایسی کیفیت طاری کرتی ہے کہ قاری کے سامنے ایک رواں فلم چلنی شروع ہو جاتی ہے جس میں سلمیٰ اعوان کی ذاتی بکھری ہوئی زندگی کے ساتھ ان کے خاوند

ہوتا ہے۔ ’’سندر چترال‘‘ میں بھی ایسی ہی کیفیت طاری ہوتی ہے سلمٰی اعوان خارجی مناظر سے اتنی زیادہ متاثر ہوتی ہے کہ حال کی اس اثر پذیری کے تناظر میں تاریخ کی راہوں پر محوِ سفر ہو جاتی ہیں اور ماضی کے کرداروں کے حالات زندگی جب ان کے سامنے عیاں ہوتے ہیں تو ان کو قاری کے سامنے حال میں یوں سجاتی ہیں کہ حال کے آئینہ میں ماضی اپنی پوری تابنا کی سے منعکس ہوتا ہے اسی طرح اپنے سامنے ہنستی مسکراتی زندگی کو دیکھتی ہے تو اپنا کڑوا کسیلا ماضی ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور پھر وہ اپنے وجود کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو سمیٹنے میں سرگرداں ہو جاتی ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو بحثیت سفرنامہ نگار سلمٰی اعوان نے نہایت مہارت کے ساتھ فلیش بیک تکنیک کو بروئے کار لایا ہے جو اسلوب کا فطری جزو بن کر نہ صرف تحریر کی دلکشی میں اضافہ کرتی ہے بلکہ سفرنامہ ایک ایسی کہانی یا ناول کی صورت اختیار کر جاتا ہے جس میں آغاز و عروج کے ساتھ ایک مثبت انجام بھی نظر آتا ہے۔ سلمی اعوان نے سفرنامے کو کھ سے جس قصہ گوئی کو جنم دینے کی کوشش کی ہے اُس فلیش تکنیک کے بہترین استعمال نے اس کا کام مزید آسان بنا دیا ہے۔

۱) عمران نقوی سے مصاحبہ ’’نوائے وقت‘‘ ۱۶ جون ۱۹۹۷ء

۲) بحوالہ احمد ندیم قاسمی ’’میرا گلگت و ہنزہ‘‘ مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۹۵ء ص۴

۳) سلمٰی اعوان ’’یہ میرا بلتستان‘‘ سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۸ء ص ۳۹

۴) ایضاً ص ۵۴

۵) ایضاً ص ۱۰۸

۶) سلمٰی اعوان ’’میرا گلگت و ہنزہ‘‘ ص ۲۸۲،۲۸۱

۷) سلمٰی اعوان ’’سندر چترال‘‘ الفصیل لاہور ۲۰۰۴ء ص ۴۲

۸) ایضاً ص ۸۲

۹) ایضاً ص ۱۷۹،۱۷۸

۱۰) بحوالہ مظہر فریدی ’’سہ ماہی الزبیر سفرنامہ نمبر‘‘ اردو اکادمی بہاولپور ۱۹۸۹ء ص ۹۳

۱۱) ایضاً ص ۱۲۳